© rasailojaraid.com

ارمغانِ حجاز

ایک منفرد سفر نامۂ حرمین

پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی

(نائب صدر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد)

ارمغان حجاز اپنی نوعیت کا ایک ایسا منفرد سفر نامہ حرمین ہے' جو شاعر مشرق نے تصوراتی طور پر اپنے تخیل کی دنیا میں کیا۔ اس سفر میں انہوں نے مکہ مکرمہ کی زیارت کی' وہاں سے طیبہ کا محبوب سفر شروع کیا' اہل قافلہ کو ساتھ لیا اور اپنے جذبات و احساسات کی زمام دل کے ہاتھوں میں دے کر مسافر حرمین روانہ ہو گیا:

زمام خویش دادم در کف دل

پھر شاعر عالم تصور ہی میں قریہ قریہ' شہر شہر ہوتا ہوا' دشت و دریا کو عبور کرتا ہوا' کہیں ٹھہرتا کہیں رکتا اور کہیں آنسو بہاتا ہوا "خاک یثرب" کا رخ کر لیتا ہے کہ دو عالم سے خوشتر ہے۔ شاعر کو احساس ہے کہ اب وہ بوڑھا ہو چکا ہے اور اب اس کی منزل قریب ہی ہے۔ اب اس کی حالت اس پرندے کی ہے جو دن بھر کا تھکا ماندہ سر شام واپس آشیانہ کی طرف لوٹتا ہے۔

راستہ میں شاعر نعتیہ غزلیں بھی پڑھتا ہے' ذکر محبوب میں کبھی لے بلند کرتا ہے' کبھی پست آواز میں نغمہ خواں ہوتا ہے' کبھی آہنگ حجازی میں قند فارسی کے مصرعے گنگناتا ہے' اور کبھی اس کا طغیان مشتاقی اس کو ناقہ ہی سے سرگوشی پر آمادہ کر لیتا ہے:

سحر با ناقہ گفتم نرم تر رو
کہ راکب خستہ و بیمار و پیر است
قدم مستانہ زد' چنداں کہ گوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بپایش ریگ ایں صحرا حریراست

ان تصورات و احساسات میں غرق شاعر منزل گاہ عشق تک جا پہنچتا ہے۔ بارگاہ رسالت میں دکھ درد بیان کرتا ہے' دنیائے اسلام کے مسائل و مشکلات اور تحدیات دربار نبوت میں پیش کرتا ہے۔ مسلمانوں کی کمزوریوں اور کوتاہیوں کا ذکر کرتا ہے۔ پھر یہاں کے راز و نیاز سے فارغ ہو کر حضور ملت اپنے تجربات اور مشورے پیش کرتا ہے۔ ان مشوروں کی روح اور عطر اس کا یہ مشورہ ہے:

بجز با دل بند و راہ مصطفیٰ رو

حضور ملت کے بعد رحمتِ عالمؐ کا پیغام عالم انسانی کو پہنچانا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ حضور عالم انسانی جو سب سے اہم پیغام ہے وہ ولقد کرمنا بنی آدم کی نوید جانفزا ہے:

آدمیت احترام آدمی

باخبر شو زمقام آدمی

شاعر اس پورے سفر میں یاران طریق کو نہیں بھولتا کہ پیغمبر رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحب بالجنب اور ابن السبیل کے حقوق کی بار بار تاکید فرمائی ہے۔ یاران طریق سے وہ دل کی بات کرتا ہے اور ان تحدیات کا ذکر کرتا ہے جو امت مسلمہ کو در پیش ہیں۔ یہاں امت مسلمہ کی فکری لغزشوں اور علمی کوتاہیوں کا ذکر آنا بھی ناگزیز ہے۔ فرد کی ذوق یقین سے بیگانگی پر اظہار افسوس ہے۔ فرنگی بتکدہ میں فرزندان توحید کے سربسجود ہو جانے پر نالہٗ و فغان ہے۔ آخر میں یاران طریق کو اسوۂ شبیری پر چلنے کی تلقین کرتے ہوئے یاد دلایا گیا کہ ان کے ایک نعرہ قد قامت سے کیا کیا قیامتیں جنم لے سکتی ہیں۔

ارمغان حجاز: ترتیب اور تعارف موضوعات

ارمغان حجاز دو الگ الگ حصوں حصہ فارسی اور حصہ اردو پر مشتمل ہے' بلکہ یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اصل ارمغان حجاز حصہ فارسی ہے اور حصہ اردو کی حیثیت محض ایک ضمیمہ کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس کو ہم تصوراتی اور تخیلاتی سفر نامۂ حرمین قرار دے سکتے ہیں وہ فارسی حصہ ہی ہے۔ اردو حصہ علامہ کی متفرق نظموں پر مشتمل ہے' فارسی حصہ درج ذیل حصوں یا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابواب پر مشتمل ہے:

۱۔ حضور حق

۲۔ حضور رسالت

۳۔ حضور ملت

۴۔ حضور عالم انسانی

۵۔ بہ یاران طریق

ان میں سے ہر ذیلی حصہ یا باب متعدد فصول پر مشتمل ہے۔ ان فصول کے مضامین سے شاعر کی بلندی پرواز، فکر کی گہرائی، تخیل کی رفعتوں اور نظر کی پہنائیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہاں حکیمؒ مشرق اپنے تمام ہم عصروں سے آگے، بہت آگے نظر آتے ہیں۔ عربی، اردو اور فارسی کا کوئی شاعر بلندیِ فکر اور رفعت تخیل میں ارمغان حجاز کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہاں اقبال شاعروں اور ادیبوں کے بجائے رومیؒ اور جامیؒ جیسے صاحب دل مفکرین، سعدی اور عطار جیسے مصلحین اور بیدل اور سنائی جیسے حکما کی محفل کے صدر نشین محسوس ہوتے ہیں۔ یہاں پوری کتاب کے مندرجات کا مفصل جائزہ لینا تو دشوار ہے۔ تاہم ذیلی فصول کا ایک سرسری تعارف حسب ذیل ہے:

حضورِ حق

حضور حق گیارہ اجزا اور اکتالیس رباعیات پر مشتمل ہے. اقبال نے ان گیارہ اجزا کو الگ الگ عنوانات نہیں دیئے، بلکہ ان کو صرف نمبر لگا کر ممیز کیا ہے، لیکن ذرا غور سے دیکھا جائے تو ان میں سے ہر جزو میں ایک داخلی اور معنوی انفرادیت واضح طور پر پائی جاتی ہے. ذیل میں ان میں سے ہر جزو کی رباعیات کی انتہائی مختصر تلخیص پیش کی جاتی ہے.

۱۔ بارگاہ خداوندی میں عرض ہے کہ اللہ کے خاص اور مقرب بندے مدت ہوئی دنیا سے چلے گئے، شاعر کو اس کا دکھ ہے کہ "خاصاں" چلے گے اور اب "عاماں (عامیان؟)" ہی رہ گئے، اب تو ایسے لوگ رہ گے جو روحانی طور پر مردہ ہیں۔ ان کی زندگی کی سطح کا اندازہ ان کے سجدوں کے سوز سے کیا جا سکتا ہے۔ میں اس دنیا سے بیزار ہو چکا ہوں اور اب تنہا ہی رہنا چاہتا ہوں.

۲۔ میرا دل۔۔۔ بے قید ایک اضطراب اور پیچ و تاب کا شکار ہے۔ میری اور میرے برادران

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملت کی حالت زار توجہ کے قابل ہے۔ ان کی روحانی زمین بنجر ہو چکی ہے اور اب اس سے زندگی سے بھرپور سجدہ کی توقع عبث ہے۔ اس دنیا میں میرے لیے زندگی بہت دشوار ہوتی جارہی ہے۔

۳۔ دنیائے اسلام کے حالات بہت خراب ہیں۔ اس کا سینہ بے سرور' دل بے سوز اور خاک بے نور ہے۔ دین و وطن کی کشمکش نے "بنائے ملی" کو منہدم کر دیا ہے۔ ان حالات میں ایسا پرسوز سجدہ چاہتا ہوں جس کے سرور سے زمین و آسمان وجد میں آجائیں۔

۴۔ ملت کی اس تباہی کا سبب اس کے علما اور فقہا ہیں۔ تو نے ایک دانائے راز کو توفیق دی تھی کہ وہ حجاز کی نسیم جاں فزا سے مشامِ جان کو معطر کرے' لیکن اب اس کا بھی وقت اخیر ہے۔ اگر اور دانائے راز کا آنا مقدر ہے تو اے اللہ اس کو نوائے دل گداز عطا فرما۔

۵۔ میرا ہم عصر مسلمان بغیر کسی آرزو اور نصب العین کے جی رہا ہے۔ اس کا مقصد محض کھانا پینا ہی رہ گیا ہے' حالانکہ آرزو اور نصب العین ہی کی وجہ سے انسان ملائکہ سے بڑھ سکتا ہے' مگر افسوس کہ عصر حاضر کا مسلمان کافروں کے تراشیدہ بتوں کی پرستش میں مصروف ہے۔

۶۔ اے اللہ رومی کی شان عشق' خسرو کا سوز و مستی' اور سنائی کا صدق و اخلاص عطا فرما اور مجھے بندگی کا خوگر بنا دے۔

۷۔ آج ایک نئی ملت کی ضرورت ہے' ایسی ملت جس کا نعرۂ تکبیر اس شب تاریک کو صبح درخشاں میں بدل دے۔

۸۔ اے اللہ تیری دنیا نا اہلوں کے تصرف میں ہے۔ خود غرض لوگ یہاں مسلط ہیں جو دنیاوی اور دینی دونوں جذبات و احساسات کا استحصال کر کے خلق خدا کو تباہ کر رہے ہیں۔

۹۔ اے اللہ' میرا وطن آج دگرگوں ہے۔ غلامی کا دور دورہ ہے۔ میری قوم پر نماز' سجدہ اور شرع و آئین ہر چیز بار معلوم ہوتی ہے۔

۱۰۔ اے اللہ مجھے حیات جاودانی عطا فرما۔

۱۱۔ اے اللہ مجھے روز قیامت حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے روبرو رسوا نہ فرمانا۔

حضور رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

حضور رسالت صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ ذیلی حصوں فصول یا اجزا اور ایک سو انیس رباعیات پر مشتمل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ باب کا آغاز عزت بخاری کے مشہور شعر سے ہوتا ہے، جو گویا سفر نامہ کے اس حصہ کی تمہید ہے:

ادب گاہیست زیرِ آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید این جا

ان تیرہ فصول کے مندرجات کا، جن میں عنوانات کے بجائے مصنف نے صرف نمبر لگادینے پر اکتفا کیا ہے، خلاصہ درج ذیل ہے۔

۱۔ سرکار دو عالم ﷺ تک پہنچنے کا حقیقی طریقہ یہی ہے کہ، عقل اور نفسانیت کو نظر انداز کر کے قلب و ضمیر سے رہنمائی حاصل کی جائے۔

۲۔ دورانِ سفر شاعر کی قلبی کیفیات کا ذکر ہے۔ وہ عشقِ رسول ﷺ میں سرشار آہنگِ حجازی میں فارسی کی نعتیہ اور عاشقانہ غزلیں گاتا ہوا سوئے منزل رواں دواں ہے۔

۳۔ شاعر عالم تصور میں ناقہ سے مصروف راز و نیاز ہے۔ ناقہ بھی اس عالم سرخوشی میں مسافر کی پوری طرح شریک و سہیم ہے۔

۴۔ شاعر کو عرب کا ریگستان بھی خوب معلوم ہوتا ہے۔ وہ جگہ جگہ سجدہ کرتا ہوا اپنی جبیں نیاز کو گرمیٔ صحرا سے سینکتا ہوا مصروف سفر ہے۔

۵۔ دوسرے اہل کارواں کی زبان سے شاعر کے جوش و خروش اور جذب و مستی پر اظہار حیرت و رشک ہے۔

۶۔ مسافر کے غم پنہاں کا تذکرہ ہے۔ منزل تک پہنچنے کی مشکلات کا ذکر ہے۔ راہ پر پیچ ہے، راہی خستہ و زار ہے، روشنی ناپید ہے اور رات تاریک ہے۔

۷۔ ان حالات میں شاعر کے ذوق و شوق کو مزید مہمیز لگتی ہے اور وہ عاشقانہ غزلیں گاتا چلا جارہا ہے، لیکن ساربان سے یہ بھی کہتا ہے کہ راستہ جلدی طے کرنے کے بجائے وہ طویل راستہ سے لیجائے تاکہ آتش شوق اور بھڑکے اور اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے۔

۸۔ اس جزو میں مسافر گویا مدینۃ الرسول ﷺ آپہنچتا ہے اور یہاں آکر وہ اپنے ہم نفسوں کو اپنے اس ذوق و شوق میں شریک کرنا چاہتا ہے اور ان کو دعوت دیتا ہے کہ آؤ مل کر خواجۂ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یثرب کے قدموں سے آنکھیں ملیں۔ اس لیے کہ یہ خوش نصیبی کم ہی لوگوں کو عطا ہوتی ہے۔ یہ مسافر کی خوش بختی ہے کہ یہ دروازہ سعادت اس کے لیے کھولا جا رہا ہے۔ جب یہ سعادت ملتی ہے تو مسافر محسوس کرتا ہے کہ جہان چار سو اس کے اندر سما چکا ہے اور وہ زمان و مکان کی قید سے بالاتر ہو چکا ہے اب آگے پرواز کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ یہاں آکر زمانی کو بھی حیات جاودانی نصیب ہو جاتی ہے۔ یہاں نزول معانی کے لیے الفاظ کا سہارا ضروری نہیں۔ اس بارگاہ میں حکیم و کلیم، فرزانہ و مجنون، بینا اور نابینا سبھی کی تسلی کا سامان موجود ہے۔ اس درگاہ سے کوئی محروم نہیں لوٹایا جاتا۔

۹۔ یہ اس باب کا سب سے طویل جزو ہے جو ستاسی رباعیات پر مشتمل ہے۔ ان رباعیات میں زائرِ مدینہ عالم تصور میں بارگاہِ رسالت میں کھڑا ہے اور اپنے تمام جذبات و احساسات، مصائب و مشکلات، آرزوئیں اور فریادیں دربار نبوت میں پیش کر رہا ہے۔ یہی جزو دراصل وہ ارمغانِ حجاز ہے جو مصنف نے اپنی قوم کو دی ہے۔ اس حصہ میں سوز و گداز کی وہ بے مثال کیفیت پائی جاتی ہے جو کلام اقبال میں بھی خال خال ہی ملتی ہے۔ جی تو چاہتا ہے کہ ان سب رباعیات کے مطالب کی تلخیص یہاں پیش کی جائے جن میں حکیمِ مشرق نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو چشم تصور میں اپنا دردِ دل بیان کیا ہے اور گویا کلیجہ نکال کر رکھ دیا ہے، لیکن ان سب رباعیات کی تلخیص بھی اس مختصر تحریر کو بہت طویل بنا دے گی، لہٰذا اس سے احتراز کیا جاتا ہے۔

۱۰۔ نژاد نو (جاوید) کے لیے اظہار آرزو کہ اس کو عشق مصطفیٰ کی دولت ارزانی ہو۔

۱۱۔ نوجوانان قوم کو فرنگی کج کلاہوں سے محفوظ رکھنے کی دعا۔

۱۲۔ جو سوز و ساز مجھے عطا ہوا ہے ویسا ہی سوز و ساز دوسرے مسلمانوں کو عطا ہو۔

۱۳۔ جزیرۂ عرب کے حکمرانوں (عبدالعزیز اور اس کی اولاد) سے خطاب کر کے ان کو چند نصیحتیں کی ہیں اور ان کو ان کی بعض مذہبی غلط فہمیوں پر متنبہ کیا ہے، فرماتے ہیں کہ اے سعودیو! آؤ عشق رسول ﷺ کے جذبے کو تازہ کریں اور مدینہ کی گلیوں کو آنسوؤں سے شاداب کر دیں۔ اے حکمرانِ عرب! تو اپنے ملک میں جو چاہے کر، مگر دوسروں سے مدینہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لے 'ملت اسلامیہ کی عالمی اور کائناتی ساخت کو نہ بھول' فرنگی بتوں سے لاتعلق ہو جا' فاروق اعظمؓ کی سی بصیرت پیدا کر اور جرأت سے اپنی دنیا آپ پیدا کر۔

حضور ملت

"حضور ملت" کے ذیلی عنوانات یا ذیلی ابواب ملاحظہ ہوں۔

۱۔ بجق دل بند و راہ مصطفیٰ رو: اس میں بارہ رباعیات ہیں۔

۲۔ خودی: اس میں تین رباعیات ہیں۔

۳۔ انا الحق: اس میں سات رباعیات ہیں۔

۴۔ صوفی و ملا: اس میں آٹھ رباعیات ہیں۔

۵۔ رومی: اس میں دس رباعیات ہیں۔

۶۔ پیام فاروق: اس میں نو رباعیات ہیں۔

۷۔ شعرائے عرب: اس میں گیارہ رباعیات ہیں۔

۸۔ اے فرزند صحرا: اس میں تین رباعیات ہیں۔

۹۔ تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد: اس میں دس رباعیات ہیں۔

۱۰۔ خلافت و ملوکیت: اس میں پانچ رباعیات ہیں۔

۱۱۔ ترک عثمانی: اس میں تین رباعیات ہیں۔

۱۲۔ دختران ملت: اس میں آٹھ رباعیات ہیں۔

۱۳۔ عصر حاضر: اس میں پانچ رباعیات ہیں۔

۱۴۔ برہمن: اس میں چار رباعیات ہیں۔

۱۵۔ تعلیم: اس میں چودہ رباعیات ہیں۔

۱۶۔ تلاش رزق: اس میں دو رباعیات ہیں۔

۱۷۔ نہنگ با بچہ خویش: اس میں دو رباعیات ہیں۔

۱۸۔ خاتمہ: اس میں تین رباعیات ہیں۔

حضور ملت اس کتاب کا تیسرا حصہ ہے جس میں ملت اسلامیہ کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس کے اٹھارہ ذیلی حصے یا فصول

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ گویا جب اقبالؒ نے بارگاہ نبوت میں اپنی معروضات پیش کر لیں اور اس عالی مقام دربار کی روحانی نعمتوں سے پورے طور پر بہرہ اندوز ہو گئے' تو ان کو خیال ہوا کہ اب حضور ﷺ کی قائم کردہ ملت کی خدمت میں وہ ارمغان پیش کروں جو میں نے اس بارگاہ سے حاصل کیا ہے. یوں تو اس کتاب کے ہر حصے میں اور ہر حصے کی ہر فصل میں اقبال نے ملت مسلمہ کو درپیش تحدیات کا ذکر کیا ہے لیکن یہ حصہ اس اعتبار سے ممتاز ہے کہ اس کا موضوع ہی امت مسلمہ اور اس کو درپیش چیلنج ہیں. ان تحدیات اور چیلنجوں کا تفصیلی ذکر تو آگے آے گا' یہاں زیر نظر باب یا حصہ کے اہم مطالب کی تلخیص پیش خدمت ہے :

۱۔ "بحق دل بند و راہ مصطفیٰ رو" : اس حصہ میں بارہ رباعیات ہیں۔ ان میں برادرانِ ملت کو راہ مصطفیٰ ﷺ پر کاربند رہنے' تعمیر حرم میں کوشاں رہنے' اسلام دشمن تحریکات سے خائف نہ ہونے' اپنے امور اور معاملات کا خود فیصلہ کرنے اور اغیار سے محتاط رہنے کی تلقین کی ہے اور بتایا ہے کہ خودداری اور خودنگری کے بغیر نہ دین کی کامیابی مل سکتی ہے نہ دنیا کی.

۲۔ "خودی" : مومن اپنی خوابیدہ صلاحیتوں کو اسی وقت بیدار کر سکتے ہیں جب وہ اپنی خودی کو ترقی دیں اور اپنے آپ کو تلاش کریں.

۳۔ "انا الحق" : اگرچہ فرد کا انا الحق کہنا قابل سرزنش ہے لیکن اگر پوری قوم انا الحق کہے تو ناروا نہیں ہے۔ بالفاظ دیگر امت کو اجتماعی طور پر صفات الٰہی کا مظہر ہونا چاہیے.

۴۔ "صوفی و ملا" : صوفی و ملا یعنی علماے ظاہر و باطن کی کمزوریوں اور خامیوں کا ذکر کیا ہے.

۵۔ "رومی" : صوفی و ملا کی کمزوریوں رومی' کے پیغام اور اسلوب پر عمل کرنے سے دور ہو سکتی ہیں۔ رومی کی "نے نوازی" سے اسرارِ فقیری وا ہوتے ہیں اور مقام کبریائی عطا ہوتا ہے.

۶۔ "پیام فاروق" : دور جدید کے حکمرانوں کو فاروق اعظمؓ کا پیغام یاد لانے کی ضرورت ہے.

۷۔ "شعراے عرب" : عرب دنیا کے ادیبوں اور دانشوروں کو پیغام دیا ہے اور ان کو بتایا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ میں نے مادی حسن و جمال کا تذکرہ کرنے کے بجائے اپنی روح پرور شاعری میں انوار قرآنی اپنی قوم تک پہنچائے ہیں اور اس طرح ان کے دلوں میں ذوق و شوق اور جذبہ پیدا کیا ہے۔ لہٰذا اے عرب ادیبو اور شاعرو! تم بھی اپنی شاعرانہ اور ادیبانہ صلاحیتوں سے بت پرستی کے بجائے سوز و ساز پیدا کرنے کا کام لو۔ مسلمانوں کے دلوں میں ذوق انقلاب پیدا کرو۔

۸۔ "اے فرزند صحرا": اس عنوان کے تحت تین رباعیات میں اقبالؒ[7] نے اپنی محبوب قوم یعنی عربوں سے خطاب کیا ہے اور ان کو فقر غیور کا سبق یاد دلایا ہے۔

۹۔ "تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد": اس جزو میں شامل دس رباعیات کا موضوع مردِ مومن اور مردِ حق کا انتظار اور اس کے ظہور کی آرزو ہے۔ مرد مومن کا ظہور تبھی ہو سکتا ہے جب تسلیم و رضا' صدق و اخلاص اور جنون و وفا کو شیوہ بنا لیا جائے۔ وہ دن کتنا خوش نصیب ہو گا جب میرے پیغام کی تاثیر سے وہ شہسوار بر آمد ہو گا جس کے لیے دیدہ و دل فرش راہ ہیں۔ آئندہ رباعیات میں اس شہسوار کی صفات بیان کی ہیں۔

۱۰۔ "خلافت و ملوکیت": اس عنوان کے تحت پانچ رباعیات میں اقبالؒ نے اسلامی اور غیر اسلامی طرز ہائے حکومت کا موازنہ کیا ہے۔ اسلامی حکومت یعنی خلافت سے ناموس الٰہی کی حفاظت ہوتی ہے جبکہ ملوکیت سراپا مکر و فریب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں ملوکیت (یعنی انسانوں اور فرمانرواؤں کی مرضی کا بالادست ہونا) حرام ہے۔

۱۱۔ "ترک عثمانی": ان تین رباعیات میں ترکوں کی ذہنی غلامی اور مغرب پرستی پر تنقید کی ہے اور کہا ہے کہ گو وہ بظاہر آزاد ہیں' لیکن بباطن اب بھی طلسم فرنگ کے اسیر میں ہیں۔

۱۲۔ "دخترِ ملت": ان آٹھ رباعیات میں مسلمان خواتین کو شرم و حیا اور حجاب اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ مغرب کی کافرانہ دلبری کے مقابلہ میں شرم و حیا کا غازہ بہتر ہے۔ پھر کہا ہے کہ نظام عالم کا دارومدار خواتین کے کردار پر ہے۔ اگر کوئی قوم اس نکتہ سے غافل ہے تو اس کا نظام درست نہیں ہو سکتا' لہٰذا اے قوم کی بیٹیو! تم حضرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بتولؓ کے نقش قدم پر چلو' اگر تم ایسا کرنے لگو تو تمہاری تلاوت سے عمرؓ جیسے انسانوں کی قلب ماہیت ہو سکتی ہے۔

۱۳۔ "عصرِ حاضر": اس جزو میں شامل پانچ رباعیات کا موضوع دور حاضر کی مادہ پرستی اور اس کے ہولناک نتائج ہیں۔ یہ دور طرح طرح کی بت پرستیوں اور ملحدانہ نظریات کا دور ہے۔ میں نے اس دور کے خلاف اعلان جنگ کرر کھا ہے۔

۱۴۔ "برہمن": ان چار رباعیات میں اقبالؒ نے ہندو قوم کی ذہنیت اور رویہ پر تبصرہ کیا ہے' اس کی چالاکی اور عیاری کا تذکرہ کیا ہے اور اس کی دھوکہ پر مبنی پر سیاست بازی کا پردہ فاش کیا ہے۔

۱۵۔ "تعلیم": ان چودہ رباعیات میں اقبالؒ نے اپنے پسندیدہ اور محبوب موضوع تعلیم اور بالخصوص فرنگی نظام' تعلیم کے عواقب و نتائج سے بحث کی ہے اور اسلام کے تصور تعلیم و تربیت پر روشنی ڈالی ہے۔ کہتے ہیں کہ جس علم کا حاصل دل بیدار' جوان خود نگہدار اور ید بیضانہ ہو وہ بیکار ہے۔ اقبالؒ کی رائے میں دین' دانش اور ہنر جب ملتے ہیں تو قوم نہ صرف مہ و انجم کی طرح چمکتی ہے بلکہ اس کو ید بیضا بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

۱۶۔ "تلاش رزق": اس عنوان کے تحت دو رباعیات میں اقبال نے عزت اور استغناء کے ساتھ روزی کے حصول کی اہمیت بتائی ہے اور کہا ہے کہ ذلت کی روزی سے موت بہتر ہے۔

۱۷۔ "نہنگ با بچہ خویش": ان دو رباعیات میں اقبال نے تگ و دو کرنے اور مسلسل خطرات کو انگیز کرنے کی اہمیت بیان کی ہے۔

۱۸۔ "خاتمہ": میں نے جو کچھ کہا ہے وہ "پاکان امت" ہی کے فرمودات ہیں۔ میں نے راستہ بتادیا ہے' اب عمل کرنا اے قاری تیری ذمہ داری ہے۔

حضور عالم انسانی

حضور عالم انسانی دراصل پوری انسانیت کے نام ارمغان حجاز یا پیغام طیبہ ہے۔ یہ رحمت اللعالمین کے دربار سے عالم انسانیت کے نام آدمیت اور احترام آدمیت کا پیغام ہے۔ کتاب کا یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حصہ سات اجزا پر مشتمل ہے جن کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ تمہید جو سات ذیلی حصوں یا فصول پا مشتمل ہے اور اس میں تیس رباعیات ہیں۔ تمہید میں عمومی طور پر انسانیت سے خطاب ہے اور انسانوں کو نبی نوع انسان سے ہمدردی اور محبت کی تلقین کی ہے، بتایا ہے کہ اس دنیا میں کامیاب رہنے کے لیے سخت کوشی اور خود شناسی کے لیے ایمان و یقین لازمی ہے، سخت کوشی کے لیے مستقبل بینی ضروری ہے۔ مصائب و مشکلات کا مقابلہ سخت کوشی ہی کے ذریعہ ممکن ہے، حتیٰ کہ موت کا مقابلہ بھی خندہ پیشانی سے کیا جا سکتا ہے

۲۔ "دل": اس عنوان کے تحت دی گئی گیارہ رباعیات میں انسان کی قلبی صلاحیتوں اور روحانی قوتوں کی وسعت اور ہمہ گیری کا تذکرہ ہے۔ دل سے مراد اقبالؒ کے ہاں وہ روحانی قوت ہے جس کی مدد سے انسان زمان و مکان کی قید سے ماورا ہو سکتا ہے اور مادی کائنات پر اس کا تصرف قائم ہو جاتا ہے۔

۳۔ "خودی": اس عنوان کے تحت دی گئی چھ رباعیات میں اقبالؒ نے بتایا ہے کہ خودی نور کبریائی سے روشن ہوتی ہے اور وہ نور حق سے ہی اپنی نمود حاصل کرتی ہے۔

۴۔ "جبر و اختیار": ہر قوم کی تقدیر بڑی حد تک اس کے اپنے ہاتھ میں ہوتی ہے لہٰذا تدبیر اور تقدیر کے درمیان توازن ضروری ہے۔

۵۔ "موت": حیات جاودانی کے حصول کے لیے تگ و دو ضروری ہے، ورنہ موت مرگ دوام ہو جاتی ہے۔

۶۔ "بگو ابلیس را": ان چھ رباعیات میں ابلیس کو پیغام دیا گیا ہے کہ یہ دنیا زیادہ دلچسپی لینے کی چیز نہیں ہے، اس لیے کہ یہاں کی ہر خوشی کا انجام غم ہے۔ انسان کمزور اور ناقص ہے، وہ اپنی ہر کمزوری کو ابلیس سے منسوب کر دیتا ہے، حالانکہ ابلیس انسان ہی کی قوت غضبیہ کی خارجی تشکیل ہے۔

۷۔ "ابلیس خاکی و ناری": ذوق نگہ سے سارے ابلیس انسان کے خادم بن سکتے ہیں۔ اس دور کے ابلیسوں کی غلامی شرم کی بات ہے، یہ تو خود بہت ذلیل و حقیر ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہ یارانِ طریق

"بہ یاران طریق" کتاب کا آخری باب ہے جو چھ ذیلی حصوں اور تیس رباعیات پر مشتمل ہے۔ اس باب میں اقبالؒ نے اپنے ہم مشربوں سے خطاب کیا ہے اور تمہیدی رباعی ہی میں ان کو دعوت دی ہے کہ آؤ اس امت کی بگڑی بنائیں :

بیا تا کار ایں امت بسازیم
قمار زندگی مردانہ بازیم

اپنے ہم مشربوں سے اس خطاب میں اقبال نے ان کو درج ذیل نصیحتیں کی ہیں۔

۱۔ اے ہم سفر! مجھ سے میرا سوز و ساز سیکھ لے اور جو "نغمہ اللہ" ہو میرے رگ و پے سے ٹپک رہا ہے کوشش کر کہ وہ چار دانگ عالم میں ٹپکنے لگے۔

۲۔ اے ہم نشین! خالص عقلی اور منطقی علوم پر بھروسہ نہ کر، یہ سب خام اور ناقص ہیں۔ رومی اور جامی جیسے واقفان حال اور صاحبان حضور کے فیض سے مستنیر ہو۔

۳۔ دوسروں کا دست نگر بننا اور دوسروں کی مصلحتوں کے تابع رہنا بڑی ذلت کی بات ہے۔ محکومی کی روزی سے آزادی کی روکھی سوکھی بہتر ہے۔

۴۔ یہ جہاں ایک رہگذر سے زیادہ نہیں ہے، یہاں راہرو تو بہت ہیں، لیکن حقیقی ہم سفر دستیاب نہیں ہے، لیکن اسی تنہائی میں گذر کرنا سیکھ۔

۵۔ دارا و جمشید کے آگے گردن جھکا کر حرم کو بے آبرو نہ کر، فرنگیوں سے اپنی حاجت بیان نہ کر اور اس بت کو اپنے طاق دل سے جھٹک دے۔

۶۔ صدق و یقین پیدا کیے بغیر مقام شوق تک رسائی ناممکن ہے۔ یقین کے لیے روح الامین کی صحبت ضروری ہے جس کے نتیجہ میں جرأت رندانہ پیدا ہوتی ہے۔

۷۔ اے ہم سفر! وہ نماز ادا کرنا سیکھ جس کا قیام جلال کبریائی کا اور سجدۂ جمال بندگی کا مظہر ہو۔ جس کے نعرۂ تکبیر کی تب و تاب کی کوئی تاب نہ لا سکے۔ جس کی ایک قدقامت سے باطل کے ایوانوں میں قیامت آجائے۔

© rasailojaraid.com

۸۔ یہ سب کچھ حاصل کرنے کے لیے قربانی کی ضرورت ہے۔

© rasailojaraid.com

کتاب کے مضامین کی اس مختصر تلخیص کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دو اہم حصوں "حضور حق" اور "حضور رسالت علیہ" سے سفر بطحاؑ اور سفر طیبہ کی جھلکیاں پیش کی جائیں اور مصنف نے جن تحدیات کا ذکر کیا ہے ان کو بھی اختصار سے بیان کر دیا جائے۔

سفر بطحاؑ کی جھلکیاں

مسافر "حضورؑ حق" سفر کا ارادہ اس اعلان سے کرتا ہے کہ بارگاہ الٰہی میں بے سرو سامانی ہی اصل زادہ راہ ہے۔ یہاں مادی علائق سے قطع تعلق ہی سب سے بڑی خوبی ہے۔ اس سفر میں جس زادراہ کی قدر ہے وہ آہ سوزناک، نالۂ سحری اور فغان نیم شبی ہے۔ اس راہ میں جب بھی کوئی مشکل مقام آتا ہے تو صاحب دل مسافر کو فوراً آہ و فغان نیم شب کا پیام آجاتا ہے۔ یہ آہ و فغان نیم شب اور یہ آہ سوزناک جب بلند ہوتی ہے تو سینکڑوں سال کی مسافت آنوں اور ثانیوں میں طے ہو جاتی ہے۔ چنانچہ مادی اسباب اور ظاہری سروسامان کے بغیر سامان آہ و فغان سے لیس مسافر بطحاء روانہ ہو جاتا ہے۔ آغاز سفر ہی میں مسافر کو احساس ہوتا ہے کہ اب محض عامیوں ہی کا دور ہے اس لیے کہ خاصاں بادہ ہا خورد ند ورفتند۔ اس احساس سے مسافر پر جو ندامت طاری ہوتی ہے وہ اس کی زبان کو گنگ کر دیتی ہے:

من از خجلت لب خود کم کشودیم

دوران سفر مسافر نے بارگاہ حق میں بہت سی دعائیں کیں، مناجاتیں کہیں، راز و نیاز پر مبنی گفتگوئیں کیں، کہیں کہیں عاشقانہ ناز کے مظاہرے بھی آئے، لیکن ناز کے پردوں میں اپنے اور امت مسلمہ کے دکھوں کا ہی تذکرہ ہے، شکوہ کے اسلوب میں اپنی ہی خامیوں اور کوتاہیوں کا اعتراف ہے، طرز ادا گو شکایت کی ہے لیکن مقصود حکایت ہی ہے۔

مسافر کی دعا ہے کہ اس کو وہ سجدہ کرنے کی توفیق نصیب ہو جو اس کو نہ صرف دو عالم کی غلامی سے نجات دلائے بلکہ کائنات میں زلزلہ پیدا کر دے:

تجودے دہ کہ از سوز و سرورش
بوجد آرم زمین و آسماں را

مسافر کو ا[illegible] ہے۔ اس کو اپنے اس دنیا سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جانے کا دکھ نہیں. اس کو دکھ اس بات کا ہے کہ اب مسلمانان عالم اور فرزندان ملت اس کے اس نغمہ جاں فزا سے محروم ہو جائیں گے جو وہ چالیس سال سے بلند کر رہا ہے۔ مسافر اپنے دکھ کا اظہار اپنی اس مشہور رباعی میں کرتا ہے جو اس نے اپنی حیات ارضی کی آخری ساعات میں بھی پڑھی :

سرود رفتہ باز آید کہ ناید
نسیمے از حجاز آید کہ ناید
سر آمد روز گار ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید

لیکن یہ مسافر مایوسی اور "قنوط" کا شکار نہیں ہے۔ اس کی دنیا میں آفتاب رجائیت ہمیشہ نصف النہار پر ہی رہا۔ اس نے زندگی بھر رجاء اور امید کا درس دیا۔ اس کا تو پیغام ہی یہ رہا :

در طلب کوش و مدہ دامن امید زدست

لہٰذا اس باب میں وہ کیسے مایوس رہ سکتا تھا۔ اس کو یقین تھا کہ اس کے بعد ایک دوسرا دانائے راز اس نوائے دل گداز کی لے بلند رکھے گا۔ شاعر بارگاہ احدیت میں اس آنے والے دانائے راز کے لیے بھی دعا کرتا ہے :

اگر می آید آں دانائے رازے
بدہ او را نوائے دل گدازے
ضمیر امتاں را می کند پاک
کلیمے یا حکیمے نے نوازے

دعوات و مناجات کے اس سلسلے میں ایک منفرد ایک یکتا رباعی (جس کو ایک الگ نمبر کے تحت رکھا گیا ہے) مسافر کی روحانی آرزوں اور نصب العین کا بہت جامع اور بلیغ اظہار ہے' کہتے ہیں :

عطا کن شور رومی سوز خسرو
عطا کن صدق و اخلاص سنائی
چناں با بندگی در ساختم من
نہ گیرم گر مرا بخشی خدائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بارہ گاہ خداوندی میں مسافر نہ ملت مسلمہ کو بھولتا ہے اور نہ اپنے وطن کو۔ وہ بارگاہ احدیت میں مسلمانوں کی کمزوری، ملک کی غلامی اور ابنائے وطن کی محکومی کی داستان خون چکاں پیش کر کے درد دل ہلکا کرتا ہے۔

اس جزو کا سب سے آخری حصہ گیارھواں حصہ ہے جو دو رباعیات پر مشتمل ہے۔ اب گویا مسافر نے بطحا کا سفر مکمل کر لیا ہے اور اب وہ حضور رسالت پیش ہونے کے لیے روانہ ہونا چاہتا ہے۔ دربار رسالت میں یہ تصوراتی حاضری اس کو روز قیامت کی حاضری یاد دلاتی ہے اور وہ کانپ کر رہ جاتا ہے۔ یہ تصور اس پر لرزہ طاری کر دیتا ہے کہ وہ اپنے نامۂ اعمال کے ساتھ دربار نبوت میں کیونکر پیش ہو گا لہٰذا مدینہ روانگی کے وقت شاعر کی دعا ہے:

بہ پایاں چوں رسد ایں عالم پیر
شود بے پردہ ہر پوشیدہ تقریر
مکن رسوا حضور خواجہ مارا
حساب من ز چشم او نہاں گیر

دعا یہ کہ جب یہ عالم اپنی انتہا کو پہنچے اور ہر پوشیدہ چیز ظاہر ہو جائے تو اے خدا میرا حساب حضور ﷺ کی نگاہوں کے روبرو لیکر مجھے ان کے سامنے شرمندہ نہ کرنا، میرا حساب ان کی موجودگی میں نہ لینا۔ یہ دعا کر کے شاعر کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہتا ہوا طیبہ کی راہ لیتا ہے:

بدن وا ماند و جانم در تگ و پوست
سوے شہرے کہ بطحا در رہ اوست
تو باش ایں جا و باخاصاں بیامیز
کہ من دارم ہوائے منزل دوست

سید نذیر نیازی مرحوم نے ایک مجلس میں بیان کیا کہ ان کی علامہ اقبالؒ سے ان کی حیات ارضی کے آخری ایام میں ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات میں علامہ مرحوم ارمغان حجاز کی ترتیب واشاعت کے مسئلہ پر گفتگو فرماتے رہے۔ اس ضمن میں انہوں نے یہی رباعی پڑھی۔ نیازی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صاحب بتاتے تھے کہ دوسرے مصرعہ میں لفظ بطحاء پر ان کی آواز گلوگیر ہوئی۔ تیسرا مصرعہ ذرا ضبط کر کے گلوگیر آواز میں دہرایا۔ تھوڑا سا وقفہ کر کے ذرا ہمت کی اور چوتھا مصرعہ پڑھا اور "دوست" کا لفظ ادا کرتے ہی ہچکیاں لگ گئیں اور دہاڑیں مار مار کر رونے لگے۔

سفر طیبہ کی جھلکیاں

مسافر نہ صرف ایک عارف و حکیم ہے، بلکہ ایک صاحب دل عاشق بھی ہے۔ جہاں اس کا شہپر فکر بو حامدؒ و رازیؒ کا ہم سر ہے وہاں اس کا طغیان مشتاقی بھی رومیؒ و جامیؒ کے فیض سے مستنیر ہے۔ مسافر کو طیبہ کا سفر شروع کرنے سے قبل ہی مقام رسالت کی بلندی کا پورا احساس بھی ہے اور حضور رسالت کی نزاکت کا پورا شعور بھی۔ وہ سفر کا آغاز ہی عزت بخاری کے اس بلیغ اور مشہور و معروف شعر سے کرتا ہے:

ادب گاہیست زیرِ آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

یہ شعر پڑھ کر شاعر دوسرے ہم سفروں کو اطلاع دیتا ہے کہ پیش آہنگ یعنی زاد سفر اور قافلہ سالار تیار اور آمادۂ سفر ہے۔ اب شاعر نے لگام عقل کے بجائے دل کے حوالہ کر دی ہے اور وہ بطحاء سے سوئے یثرب رواں دواں ہے۔ وہ قریہ و شہر کی ہوا اور ماحول سے بے زار، یاد دشت کا مشتاق، دردل وا، تپیدہ آرمیدہ سوئے منزل جا رہا ہے۔ قریہ و شہر سے مسافر کی بیزاری نئی نہیں ربع صدی قبل جب اس نے اس سفر کی تیاری کا آغاز کیا تھا تو اس وقت بھی مرشد رومیؒ کی زبانی اپنے احساسات کا اظہار ان الفاظ میں کر دیا تھا:

کز دام و دو ملولم و انسانم آرزوست

لیکن آرزو اتنی منفرد ہے اور سیلاب شوق اتنا شدید ہے کہ مسافر کو تسکین کا ایک لمحہ نصیب نہیں، تسکین مسافر نہ سفر میں نہ حضر میں:

ندانم دل شہید جلوہ کیست نصیب او قرار یک نفس نیست
بصحرا بردمش، فسردہ ترگشت کنار آبجوے زار بگریست

طائر عمر اب منزل کے قریب ہے، اب بھی خستہ و بیمار و پیر ہے، لیکن اس کا سرور عاشقانہ اب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی نوجوانوں کی طرح ہے۔ اور اس کو نوا پے در پے مجبور کرتا ہے‘ لیکن مسافر کو دکھ یہ ہے کہ اس کے حقیقی ہم ذوق اور ہم صفیر موجود نہیں ہیں۔ شاعر کو اس تنہائی کا اگرچہ عرصہ سے احساس ہے‘ لیکن یہاں اس احساس میں ’شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ بیساختہ پکار اٹھتا ہے :

چہ پرسی از مقامات نوایم
ندیماں کم شناسند از کجایم
کشادم رخت خود را اندریں دشت
کہ اندر خلوتش تنہا سرایم

مسافر تنہائی میں ناقہ ہی سے راز و نیاز شروع کر دیتا ہے۔ ناقہ اس محبوب و خجستہ سفر میں اس کی رفیق و معاون ہے۔ اس سے وہ اپنے درد کا حال کہتا ہے۔ اپنی بیماری اور پیری کا ذکر کرتا ہے۔ ناقہ بھی پوری طرح گوش بر آواز ہے۔ اس کو مسافر کی روحانی عظمت اور جسمانی کمزوری کا احساس ہو چلتا ہے اور وہ اس طرح نرم رو اور تیز گام ہے کہ ایسا لگتا ہے کہ :

بپایش ریگ ایں صحرا حریر است

جوں ہی مسافر کو ناقہ کی نزاکت احساس کا اندازہ ہوتا ہے وہ ساربان سے کہہ کر اس کی مہار چھڑا دیتا ہے کہ اب :

جان او چو جان ما بصیر است

ناقہ کے ساتھ ساتھ مسافر طیبہ دوسرے اہل کاروان سے بھی دل کی باتیں کرتا چلا جا رہا ہے۔ ہم سفر رفیق کو اس کا مشورہ ہے :

بہ ریگ گرم او آور سجودے جبیں را سوز‘ تا داغے بماند

ریگ کا ذکر کرتے ہی مسافر کو محسوس ہوتا ہے کہ اس صحرا کا ہر ذرہ خوش نصیب ہے کہ راہ یثرب کا ذرہ ہے‘ لہٰذا راہ چلنے والوں کو ان ذروں کا بھی ادب اور لحاظ ضروری ہے :

چہ خوش صحراء کہ شامش صبح خنداست
شبش کوتاہ و روز او بلند است
قدم اے راہرو آہستہ تر نہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چو ما ہر ذرہ او درد مند است

مسافر کو اس ریگستان کے ذروں سے بھی محبت ہو جاتی ہے وہ ان پر زیادہ زور سے قدم بھی نہیں رکھنا چاہتا کہ مبادا ان ذروں کو تکلیف پہنچے۔

مسافر کا سوز و گداز اور آہ و فغاں دوسرے مسافروں کو بھی متوجہ کر لیتی ہے۔ وہ قافلہ سالار اور ساربان قافلہ سے پوچھتے ہیں۔ کہ یہ عجمی کون ہے جو غیر عربی لے میں یہ نغمے بلند کر رہا ہے جن کی گرمی اور سیرابی سے اس بیابان میں بھی لوگ خوش خوش جی سکتے ہیں' یہ سوال سن کر جواب دینے والا جواب دیتا ہے:

مقام عشق و مستی اوست
چہ آتش ہا کہ در آب و گل اوست
نوائے او بہ ہر دل ساز گار است
کہ در ہر سینہ قاشے از دل اوست

یعنی یہ وہ عاشق زار ہے جو عشق و مستی کے بلند مقام پر فائز ہے۔ اس کے جسد خاکی میں آگ بھڑکی ہوئی ہے۔ اس کی یہ نوا طرازی ہر درد مند دل کی آواز ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب مسافروں کے دلوں میں اسی کے دل کی قاشیں رکھ دی گئی ہیں۔

اب شاعر خود اپنے احساسات کو زبان دیتا ہے۔ کہتا ہے کہ اس سفر محبت میں مجھے رہ رہ کر اپنے مصائب و مشکلات یاد آرہے ہیں۔ ان کا غم کہنے کو پنہاں ہے' مگر اتنا عیاں کہ ہر کسی پر روشن ہے۔ میری کیفیت اس بیمار اور خستہ و زار مسافر کی سی ہے جس کو تاریک رات میں پر پیچ سفر در پیش ہو۔ میں انہی احساسات میں غلطاں و پیچاں چلا جا رہا ہوں۔ کبھی جذبہ میں آکر عراقی کے عشقیہ اشعار پڑھتا ہوں' کبھی جامی کی نعتیں گنگناتا ہوں۔ اگرچہ میں عربی آہنگ سے مانوس نہیں ہوں' لیکن ساربان کے عربی نغموں سے اثر پذیر ہو رہا ہوں۔

اسی کیفیت میں شاعر ساربان سے مخاطب ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ اے ساربان! میں درد فراق کے اس سوز و ساز سے اس قدر لذت اندوز ہوتا ہوں کہ میرا جی چاہتا ہے کہ اس تڑپ میں اور اضافہ ہو' لہذا تو میری اس کیفیت کو اور بھڑکا دے' میرے جذبہ دروں میں اور شدت پیدا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کردے' تو مجھے کسی طویل راستہ مدینہ لے چل' ایسا نہ ہو کہ لذت و محبت کا یہ سفر جلدی ختم ہو جائے:

بگیر اے ساربان راہ درازے
مرا سوز جدائی تیز ترکن

شاعر کا سفر مکمل ہوتا ہے اور وہ مدینہ کے قرب و جوار میں جا پہنچتا ہے۔ اب وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ دربار رسالت ﷺ 'ادب گاہ نازک تراز عرش' میں حاضری کی تیاری کرتا ہے۔ اس تیاری کے دوران وہ ساتھیوں سے خطاب کر کے چار رباعیوں میں اپنے جذبات کا اظہار کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ آؤ ہم اور تم مل کر آنسو بہائیں اور دل کا غبار نکالیں۔ ہم دونوں ہی حضور رسالت مآب (ﷺ) کی شان جمال کے کشتہ ہیں۔ ہمارے دل کی مراد دو حرفوں میں ادا کی جاسکتی ہے:

بپاے خواجہ چشماں را بمالیم

آؤ خواجہ یثرب کے قدموں سے اپنی آنکھیں ملیں اور ان کو پر نور کریں۔ یہ وہ دربار ہے جہاں تعقل و تفلسف کے بت توڑ کر حاضر ہونا چاہئے۔ یہاں حکیم و فیلسوف کی قیمت کم ہے سادہ اور مخلص انسان کی قیمت زیادہ ہے۔ یہاں سے عاقل نامراد اور عاشق بامراد لوٹتا ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ میری خوش نصیبی بھی کس درجہ کی ہے کہ شاہنشاہ کونین کے دربار میں مجھ بے مایہ درویش اور گمنام مسکین کو رسائی حاصل ہو رہی ہے:

چہ خوش بختے' چہ خرم روزگارے
در سلطاں بہ درویشے کشادند

اب وہ لمحہ قریب سے آرہا ہے' جب مسافر طیبہ چشم تصور میں حرم نبوی کے قریب پہنچتا ہے۔ جوں جوں حرم قریب آرہا ہے اس کی روحانی کیفیات میں طوفان اٹھ رہے ہیں' جذبات میں تلاطم بپا ہے۔ جوں ہی وہ روضۂ اقدس کے سامنے پہنچتا ہے تو اس کو محسوس ہوتا ہے کہ یہ ساری کائنات (جہان چار سو) اس کے اندر سما گئی ہے اور عالم لامکان کی فضا اس کے دل و دماغ میں بس گئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمان و مکان کی قید سے بالاتر ہو چکا ہے۔ جیسے ہی اس نے خود کو اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلند و بالا عمارت کے سامنے پایا اس کو ایسے لگا کہ اب اس کی استطاعت پرواز ختم ہو چکی ہے۔ گویا جہاں سے سرکار دو عالم ﷺ کی رفعت کا آغاز ہوتا ہے وہاں مسافر کی منزلیں ختم ہو جاتی ہے اور طاقت پرواز جواب دے جاتی ہے۔ اس بستی میں عالم زمانی ہستیاں جاودانی ہو جاتی ہیں' مکانی وجود لامکانی ہو جاتے ہیں۔ اس خاک پاک سے الفاظ و عبارات کے واسطے کے بغیر ہی حقائق و معارف کا صدور ہونے لگتا ہے۔ یہاں آنے والا محروم نہیں رہتا' یہاں کسی کو خالی ہاتھ نہیں لوٹایا جاتا۔ یہاں سے ہر ایک دولت دیدار سے بہرہ مند ہو کر ہی جاتا ہے۔ آنے والا حکیم ہو یا کلیم اس کو لن ترانی نہیں کہا جاتا:

دریں وادی زمانی جاودانی
ز خاکش بے صور روید معانی
حکیماں با کلیماں دوش بردوش
کہ ایں جاکس نگوید لن ترانی

اب وہ لحہ آیا کہ مسافر مواجہہ شریف میں حاضر ہوتا ہے۔ چشم تصور میں' عالم تخیل میں اقبال (غالباً شروانی اور ترکی ٹوپی میں ملبوس) آہستہ آہستہ ادب سے قدم رکھتے ہوئے' دل میں صلاۃ و درود' لب پہ صلاۃ و درود' آگے بڑھ رہے ہیں۔ دل میں جذبات کے سمندر موجزن ہیں' روح میں تلاطم برپا ہے' کون و مکاں سے بے پرواہ' زمین و آسمان سے غافل' دیدار رسالت میں محو' وہ جالیوں کے سامنے آن کھڑے ہوتے ہیں۔ یہاں وہ ستاسی رباعیات میں اپنا حال دل حضور (ﷺ) کے سامنے بیان فرماتے ہیں۔ دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد جس چیز کی آپ کو سب سے زیادہ فکر تھی وہ آپ کی امت تھی۔ آپ امت ہی کے لیے جیے' امت ہی کے لیے دعائیں کیں۔ امت ہی کے لیے آپ کی شبوں کا گداز اور دنوں کا تگ و تاز وقف تھا۔ روز قیامت امتی امتی ہی آپ کے ورد زبان ہوگا۔ اقبالؒ نے امت ہی کی حالت زار بیان کی' امت ہی کے مصائب پیش کیے' امت ہی کی راہنمائی کی دعا کی' امت ہی کے دکھوں پر آنسو بہائے اور امت ہی کی طرف سے مناجاتیں پیش کیں:

گذارشات اور مناجاتوں کے آغاز ہی میں شاعر کو خیال ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بارگاہِ رسالت میں بیان کر رہا ہوں یہ تو حضور ﷺ کو پہلے سے معلوم ہے۔ کہتے ہیں :

چساں احوال او را برلب آرم

تو می بینی نہان و آشکارم

ان گذارشات میں اقبال نے امت مسلمہ کو در پیش مشکلات و تحدیات کا تذکرہ کیا ہے اور سرکار دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں نالش کی ہے۔ کہیں اپنے دکھ کا ذکر ہے، کہیں مسلمانوں کی کوتاہیوں کا شکوہ ہے، کہیں فرنگی شاطروں کی چالوں کا تذکرہ ہے، غرض ان ستاسی رباعیات میں اقبالؒ نے بلاغت کلام، ایجاز، رمز و استعارہ، تراکیب کی بندش، خیالات کی بلندی اور رفعت تخیل کی اعلیٰ ترین مثالوں کے علاوہ سوز و گداز، قلبی کیفیات اور روحانی واردات کے ایسے ایسے نمونے پیش کیے ہیں جن کی مثالیں اردو، فارسی اور عربی شاعری میں بہت کم ہیں۔ ان رباعیات کے مطالب کی تلخیص بڑا دشوار کام ہے۔ اس لیے کہ یہاں ہر رباعی

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است

کا نمونہ پیش کرتی ہے اور ان میں اخذ و انتخاب نہایت مشکل ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے کلیجہ نکال کر رکھ دیا ہے اور اپنا دردِ دل یوں بیان کیا ہے کہ پڑھنے والے کے سازِ دل پر ضرب لگ کر رہتی ہے۔

تاہم ان رباعیات میں بالخصوص اور اس پوری کتاب میں بالعموم امت کو در پیش جن مشکلات و تحدیات کا شاعر نے ذکر کیا ہے ان کی طرف مختصر اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ارمغان حجاز اور دور جدید کی تحدیات

جیسا کہ گذارش کی گئی، ارمغان حجاز ہی وہ واحد "سفر نامہ" حجاز ہے جس میں دور جدید کی تحدیات کا نہ صرف مکمل اور حقیقی ادراک کیا گیا ہے بلکہ ان تحدیات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے نشان منزل اور نشان راہ کی بھی نشان دہی کی گئی ہے۔ ارمغان حجاز بیسویں صدی کی دنیائے اسلام کی فکری اور تہذیبی تاریخ کا ایک نہایت اہم سنگ میل ہے۔

ارمغان حجاز میں دور جدید کی جن تحدیات کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے درج ذیل اسلام اور دنیائے اسلام کے مخلص اہل علم و دانش اور ذمہ دار ارباب سیاست اور اصحاب صحافت کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اہمیت رکھتی ہیں.

۱۔ قصہ دین و وطن

۲۔ روداد دوصد سال

۳۔ محکومی مسلمان اور شب غلامی

۴۔ ملوکیت

۵۔ اسلام زنار دار

۶۔ لادینیت

۷۔ طلسم علم حاضر

۸۔ بند صوفی وملا

۹۔ فرد بے گانہ ذوق یقین

۱۰۔ بے امامی ملت

۱۱۔ حیات بے آرزو

۱۲۔ بیم مرگ

۱۳۔ فقر خانقاہی

۱۴۔ غربت اندر مشرق و مغرب

۱۵۔ "مرا یاراں غزل خوانے شمردند"

۱۔ قصہ دین و وطن

قصہ دین و وطن سے مسافر حرم کو زندگی بھر اعتناء رہا۔ وطن نے جب ایک نئے سیاسی فلسفہ کی حیثیت سے اسلام کے مقابلے میں کھڑے ہونے کا اعلان کیا تو غالباً دنیائے اسلام میں مسافر حرم کے علاوہ شاید ہی کوئی اور صاحب بصیرت ایسا ہو جس نے اتنی باریک بینی اور دقت نظر سے اس مسئلہ پر غور کر کے اس خطرے کا احساس کیا ہو' دور جدید کے ملحدانہ نظریات نے جو نئے بت گھڑے ہیں ان میں سب سے بڑا' سب سے بدترین اور سب سے خطرناک صاحب ارمغان کے نزدیک وطن ہے۔ اس لئے مسافر البطحاء نے اس بارگاہ احدیت کے حضور جو التجائیں پیش کیں ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں قصہ دین و وطن کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے خطرات کا احساس بھی شامل تھا۔ کہتے ہیں:

چہ گویم قصہ دین و وطن را
کہ نتواں فاش گفتن این سخن را

شاعر نے زندگی بھر دورِ جدید کے اس فتنۂ کبریٰ کے خلاف جنگ کی اور سنت ابراہیمی پر عمل کرتے ہوئے وابستگی حرم کی بنیاد پر اجتماعیت کی تشکیل کی دعوت دی اور حرم سے بغاوت پر مبنی ہر نظریئے کو نمرودیت قرار دیتے ہوئے اس سے جنگ کی۔ نمرودان عصر اس سے ناراض رہے، وہ نمرودان عصر سے نالاں رہا:

ازان نمرود با من سرگران است
بہ تعمیر حرم کوشیدہ ام من

شاعر کو اس کا پورا احساس تھا کہ اس کا پیغام اس طرح حرم میں اذان دینے کے مترادف ہے جس طرح اس سے ہزاروں سال قبل حضرت خلیل اللہؑ نے حرم میں یوں اذان دی تھی کہ آج تک فرزندان ملت ابراہیمی اس پر لبیک کہہ رہے ہیں، لیکن شاعر کو اس کا دکھ ہے کہ آج اولاد ابراہیم میں بہت سے بدنصیب نمرودان وقت کی حاشیہ نشینی اختیار کر چکے ہیں۔ ایسے نمک حرام عناصر کو جھنجھوڑتے ہوئے شاعر کہتا ہے:

دریں بت خانہ اولاد ابراہیم
نمک پروردہ نمرود تا چند

نمرودان وقت کے نمک خواروں سے شاعر کو نبرد آزما ہونا پڑا اس نبرد آزمائی میں شاعر دربار رسالت میں دہائی دیتا ہے:

نگاہ التفاتے بر سربام
کہ من با عصر خویش اندر ستیزم

۲۔ روداد دو صد سال

جس حدی خوان ملت نے زندگی بھر احیائے نو کا نغمہ گایا، جس نے ابنائے ملت کے ہر دکھ کا احساس کیا، جس نے دہلی، قرطبہ، صقلیہ، غرناطہ اور فلسطین میں مسلمانوں کے زوال پر آنسو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہاے وہ حضور حق میں اپنی مناجاتوں اور حضور رسالت ﷺ میں اپنی فریادوں میں ملت کی دو صد سالہ روداد کو کیسے فراموش کر سکتا تھا؟۔ اس طویل دو صد سالہ مدت میں ملت کو جو مصائب پیش آئے اور جو آفات و مشکلات امت کو برداشت کرنا پڑیں ان پر درد کا اظہار اور ان کے درماں کی فکریں تو اقبالؒ کی ساری شاعری کا ایک اہم مضمون ہے لیکن ارمغان حجاز میں خاص طور پر یہ رنگ بڑا نمایاں ہے :

حضور رسالت ﷺ میں ایک جگہ بڑے بلیغ اور جامع انداز میں کہا ہے :

زروداد دو صد سالش ہمیں بس
کہ دل چوں کندہ قصاب دارم

گویا ان دو سو سالوں میں اتنے مصائب امت پر پڑے ہیں کہ ان کو سہ سہ کر' ان کو دیکھ دیکھ کر اور ان کو سن سن کر میرا دل قصاب کے تختہ کی طرح سخت ہو گیا ہے۔ مسلمان کے سینے میں جو روشن دل تھا جو ایک چراغ کی طرح تاباں رہتا تھا ان دو سو سالوں میں مشتمل تاریک رات میں مردہ ہو چکا ہے :

چراغے داشتم در سینہ خویش
فسرد اندر دو صد سالے کہ بگذشت

اس تاریک رات کی صبح تبھی ہو سکتی ہے' جب از سر نو ملت ابراہیمی کی بنا استوار کی جائے اور ایک نئی ملت کی تعمیر کی جائے۔ اقبال نے اس نئی ملت کے ظہور کے لیے دربار رسالت میں مناجاتیں کیں' فریادیں کیں اور اپنا درد دل پیش کر کے رکھ دیا۔ وہ ایسی ملت کے ظہور کے آرزو مند ہیں جو پوری دنیائے انسانیت کو دوبارہ اخلاق و ہدایت کا درس دینے کے قابل ہو' اقوام عالم کے درمیان قائدانہ مقام رکھتی ہو اور صفات الہٰی سے متصف ہو :

میان امتاں والا مقام است
کہ آن امت دو گیتی را امام است
نیا ساید زکار آفرینش
کہ خواب و خستگی بر وے حرام است

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہی وہ ملت ہے جو امت کے کاموں کو بنا سکتی ہے اور اس کی بگڑی سنوار سکتی ہے :

دگر ملت کہ کارے پیش گیرد
دگر ملت کہ نوش از نیش گیرد

ملت نو کے ظہور کی آرزو شاعر کے دل میں ہر وقت موج زن رہتی ہے۔ حضور رسالت ﷺ میں اور حضور عالم انسانی سے فارغ ہو کر جب وہ یاران طریق کو مشورے دیتا ہے تو پہلی بات اس کی زبان سے یہی نکلتی ہے :

بیا تا کار ایں امت بسازیم

اور اگر اس میں قمار زندگی کی بازی لگانے کی ضرورت پیش آئے تو اس سے بھی دریغ نہ کریں، بارگاہ الٰہی میں شاعر نے اپنے سفر کے آغاز ہی میں عرض کر دیا تھا کہ :

بیا نقش دگر ملت بریزیم
کہ ایں ملت جہاں را بار دوش است

اور کہا تھا :

در قومے کہ ذکر لا الٰہش
بر آرد از دل شب صبح گاہش

۳۔ محکومی مسلمان

اقبالؒ شاعر استقلال و آزادی ہے، اس نے زندگی بھر حریت اسلام کا نغمہ گایا۔ استقلال کی حدی خوانی کی، وہ امام ملت آزاد گاں تھا، اس کا سارا کلام آزاد و غلام کے تقابل سے بھرا پڑا ہے۔ یہ کیونکر ممکن تھا کہ اس کے سفر نامہ حرمین میں محکومی مسلمان کے درد کا تذکرہ نہ ہو؟ آج کے مسلمان کی یہ محکومی سیاسی بھی ہے اور عسکری بھی، اس کی یہ غلامی ذہنی بھی ہے اور فکری بھی۔ وہ اقتصادی استعمار کا بھی اسیر ہے اور تہذیبی استعمار کا بھی۔ اس کی عبودیت روحانی بھی ہے اور اخلاقی بھی۔ اقبالؒ نے ارمغان حجاز میں غلامی اور عبودیت کی ان تمام صورتوں کی نوحہ خوانی ہے، سرکار رسالت میں ابنائے امت کی غلامی کی ایک اہم اور افسوس ناک کیفیت کے بارہ میں عرض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آج کے مسلمان نے :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دل خود را اسیر رنگ و بو کرد
تہی از ذوق و شوق و آرزو کرد

رنگ و بو اور مادیات کا اسیر وہی ہوتا ہے جو محض رنگ و آہنگ کا غلام ہو، محض بلبل و طاؤس کا پیرو ہو۔ ساز و آواز اور نقش و رنگ کا نخچیر ہو۔ ایسا فرد قلب و دل اور عقل و خرد کے بجائے چشم و گوش سے ہی کام لینے کا عادی ہوتا ہے۔ آج کے مسلمان کا المیہ یہی ہے کہ وہ خود فروش اور گرفتار طلسم چشم و گوش ہے:

زمحکومی مسلماں خود فروش است
گرفتارِ طلسم چشم و گوش است

قلب و نظر کی اس محکومی نے اس کو غیروں کے در پر جبہ سائی کا عادی بنا دیا ہے۔ اب اس میں جرأت و ہمت اور عزم و استقلال کی خوبیاں ناپید ہوگئی ہیں، اس سے اسلامی کردار کی امید کم ہے۔:

زسیمائے کہ سودم بر در غیر
سجود بوذر و سلماں نیابد

۴۔ استعمار و ملوکیت

راہ حریت کا مسافر اور منزل استقلال کا جویا ملوکیت کو کیسے گوارا کر سکتا تھا۔ جس مسافر کی ساری زندگی ملوکیت کے خلاف فکری، قلمی اور تہذیبی جدوجہد میں گذری تھی وہ اب منزل مقصود پر پہنچ کر ملوکیت کی ہولناکیاں کیسے بھول سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس سفر کے ہر مرحلہ میں ملوکیت سے اظہار بیزاری اور خلافت الٰہی کی دعوت کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ حضور رسالت میں عرض کرتے ہیں:

ملوکیت سراپا شیشہ بازی است
ازو ایمن نہ رومی نے حجازی است

ملوکیت وہ سراپا مکر و فریب نظام ہے جس سے نہ دنیائے مغرب محفوظ ہے اور نہ دنیائے مشرق۔ استعماری ملوکیت یا ملوکانہ استعمار کا یہ نظام نئے نئے پردوں اور نقابوں میں دنیا کے سامنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آتا رہتا ہے۔ روشن چہروں کے پیچھے تاریک چنگیزیت ہی کار فرما رہتی ہے۔ استعمار و ملوکیت کا متبادل صرف خلافت الٰہی پر مبنی نظام ہے :

خلافت بر مقام ما گواہی است
حرام است آنچہ برما پادشاہی است
ملوکیت ہمہ مکرست و نیرنگ
خلافت حفظ ناموس الٰہی است

خلافت اس فقر کا نام ہے جس کا مظاہرہ تاج و سریر کے ساتھ کیا جائے۔ گویا اخلاق و روحانیت اور حکومت وسیاست کے امتزاج سے جو نظام بنتا ہے وہ خلافت کہلاتا ہے۔ یہ وہ بے پایاں دولت ہے جس کی برکات ختم نہیں ہوتیں :

خلافت فقر با تاج و سریر است
زہے دولت کہ پایاں نا پذیر است

اسی فقر کا ذکر کرتے ہوئے اقبالؒ کہتے ہیں :

غلام فقر آں گیتی پناہم
کہ در دینش ملوکیت حرام است

۵۔ اسلام زنار دار

شاعر کو اس کا بڑے دکھ اور درد سے احساس ہے کہ اس کے دور میں اسلام کی تعلیم خالص اور پاکیزہ نہیں رہی۔ ناداں دوستوں' جاہل عقیدت مندوں اور زیرک دشمنوں نے اس میں اس قدر ملاوٹیں کردی ہیں کہ اسلام کا چہرہ صافی دھندلا گیا ہے' اس کے روے تاباں پر ملاوٹوں کی نقابیں اور غازے چڑھادیے گئے ہیں۔ اقبال کو شکایت ہے کہ ان حالات میں شیخ و ملانے اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں کیا۔ اب بھی شیخ کی ساری متاع اساطیر کہن اور ملا کی تمام تر گفتگو محض ظن و تخمین پر مبنی ہے :

متاع شیخ اساطیر کہن بود
حدیث او ہمہ تخمین و ظن بود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہی وجہ ہے کہ ہندی مسلمان کا اسلام ابھی تک زنار دار (ہندوؤں کے عقائد اور رواجات سے متاثر) ہے:

ہنوز اسلام او زنار دار است

اس نے حرم کو اسیر بنا ڈالا ہے اور خود برہمن بن بیٹھا ہے۔ جس کو حرم کی نگہبانی کرنی تھی وہ دیر کا معمار بنا ہوا ہے۔ اقبال حضور رسالت ﷺ میں فریاد کرتے ہیں:

نگہبان حرم معمار دیر است
یقینش مردہ و چشمش بغیر است

۶۔ لادینیت

دور جدید میں مادیت کے سیلاب اور عقل و خرد کی طغیانی نے جہاں اور بہت سی بستیاں تاراج کی ہیں وہاں اخلاق و کردار، دین و مذہب اور روحانیت کی بلند و بالا عمارتیں بھی زمین بوس کر ڈالیں۔ یورپ کی مادہ پرستی کے سیلاب نے اپنی خواہشات اور شہوات کے راستہ میں جس جس چیز کو حائل پایا اس کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ مذہب و اخلاق اور انسانیت و روحانیت کو عملی اور اجتماعی زندگی سے دربدر کر ڈالا، تجارت و سیاست کو ایک دوسرے کا حلیف قرار دے کر استعمار و ملوکیت کا ایک ایسا دیو استبداد پیدا کیا جس نے فرعون و نمرود اور ہامان و قارون کو کہیں پیچھے چھوڑ دیا، کہتے ہیں:

مسلماں فقر و سلطانی بہم کرد
ضمیرش باقی و فانی
و لیکن الامان از عصر حاضر
کہ سلطانی بہ شیطانی

یہ شیطانی نظام جس کو لادینیت کی بظاہر سادہ سی اصطلاح سے یاد کیا جاتا ہے نہ صرف سیاسی نظام اجتماعی زندگی، اخلاق و کردار اور دین و مذہب کو متاثر کرتا ہے، بلکہ لوگوں کے ذہن اور عقل و مزاج کو بدل کر رکھ دیتا ہے، اس نظام میں علم وسیلہ استعماری بن جاتا ہے۔ ایسے استعماری علم و فکر کے خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مباش ایمن ازاں علمے کہ خوانی
کہ ازو روح قومے می تواں کشت

۷۔ طلسم عصر حاضر

دور جدید کی مادیت پر مبنی رنگا رنگ اور تیز رفتار تہذیب ایک دیو مالا اور طلسم سے کم نہیں۔ ظاہر بیں آنکھیں اس کی تیز روشنیوں سے چکا چوند اور پرکاری سے مبہوت ہو جاتی ہیں۔ گذشتہ تین سو سال میں مغرب کی تہذیبی اقدار اور تمدنی مظاہر سے متاثر ہو کر ایمان کی کمزوری کا شکار ہونے والوں کی تعداد کروڑوں میں نہیں تو لاکھوں میں ضرور ہے۔ ان حالات میں اقبال ان معدودے چند اہل دانش اور اصحاب بصیرت میں تھے جنہوں نے اس چمک دمک اور ظاہری شان و شوکت کے پیچھے جھانک کر دیکھا اور مغربی تہذیب کی روح تک رسائی حاصل کی۔ انہوں نے اس طلسم کو خلق خدا کے لیے تباہ کن نتائج کا حامل قرار دیا اور اس کا پردہ چاک کرنے کو اپنی زندگی کا مشن قرار دیا۔ اس مشن میں ان کو بہت سی آزمائشوں سے گذرنا پڑا۔ ان آزمائشوں اور مشکلات کو وہ نار ابراہیم سے تشبیہ دیتے ہوے کہتے ہیں:

طلسم علم حاضر را شکستم ربودم دانہ و دامش گسستم
خدا داند کہ مانند براہیم بہ نار اوچہ بے پروا نشستم

حضور رسالت ﷺ میں کی گئی مناجات کے درمیان بھی وہ اس آزمائش کا ذکر کرتے ہیں اور حضور علیہ السلام کی بارگاہ سے ایک نگہ التفات کی خواہش کرتے ہوے کہتے ہیں:

نگاہ التفاتے بر سر بام کہ من با عصر خویش اندر ستیزم

۸۔ بند صوفی و ملا

عصر حاضر کے تحدیات اور مشکلات و مسائل میں ایک نہایت افسوسناک مسئلہ اہل دین اور حاملان مذہب کی بے توقیری اور بیشتر صورتوں میں نااہلی اور کم فہمی کا بھی رہا ہے۔ اقبالؒ کے ہاں حقیقی روحانی جذبہ سے بے بہرہ، ظاہر پرستی کا شکار اور رسول و رواجات خانقاہی کا علمبردار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صوفی اور لکیر کا فقیر' فرقہ پرست' دین کی روح سے نا آشنا اور ظواہر پر زور دینے والا ملا دو اہم علامتوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ صوفی ایک مردہ' بے اثر اور از کار رفتہ روایت کا محافظ ہے۔ ملا فروعی مسائل کو اہمیت دینے والا' دین کی اساسات کو غیر اہم سمجھنے والا' فرقہ پرست اور جھگڑالو مذہبی لیڈر شپ کا نمائندہ ہے۔ اقبالؒ دونوں سے اظہار براءت کرتے ہیں۔ ان کو ایسے درویش درکار ہیں جو قلندرانہ ادائیں رکھتے ہیں' جن کا جمال جنید و بایزید کا اور جلال طغرل و سنجر کا نمونہ ہو' جن کی ایک نگاہ سے فرعونوں اور نمرودوں کے ہوش اڑ جاتے ہوں' جن کے ذوق یقین سے غلامی کی زنجیریں کٹ جاتی ہوں۔ ان کو ایسے اہل علم کی تلاش ہے جن کا علم نور بصیرت سے مستنیر ہو' جس میں عقل و عشق کی متوازن آمیزش ہو' جو مسلمانوں کے قرن اول کی مجددانہ اور مجتہدانہ علمی روایت کے امین ہوں' جن کا علم و معرفت نور قرآن سے سرشار ہو۔

اقبالؒ نے یہ تمام مضامین ارمغان حجاز میں بھی دہرائے ہیں۔ وہ اپنے ہم عصر مسلمان سے شاکی ہیں:

بہ بند صوفی و ملا اسیری
حیات از حکمت قرآں نہ گیری

ایک جگہ ملا کی خشکی اور بے روحی کی شکایت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

دل ملا گرفتار غمے نیست نگاہے ہست در چشمش نمے نیست
ازاں بگریختم از مکتب او کہ در ریگ حجازش زمزمے نیست

۹۔ فرد بیگانہ ذوق یقین

طلسم علم حاضر کی پیدا کردہ تباہ کاریوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ قلب و خرد کا رابطہ منقطع ہو گیا ہے۔ اب خرد ذوق یقین سے آشنا نہیں رہی۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ سوز و سرور کا نغمہ اس زور شور سے بلند کیا جائے کہ اس سے زمین و آسمان وجد میں آ جائیں:

بجودے دہ کہ از سوز و سرورش
بوجد آرم زمین و آسماں را

قلب و خرد کے اس ٹوٹے ہوئے تعلق کو دوبارہ جوڑنے کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان کے دل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تیں دوبارہ ذوق و شوق اور آرزو پیدا کی جائے۔ ذوق و شوق اور آرزو صرف "تعلق مع اللہ" سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ ایک مرتبہ اللہ سے رشتہ جڑ جائے اور دل میں ذوق و شوق اور سوز آرزو پیدا ہو جائے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت مسلمان کے سامنے نہیں ٹھہر سکتی۔ پھر اس کی نماز اس کے لیے وسیلہ حیات ابدی بن جاتی ہے' اس کی ایک قد قامت کے نعرہ سے عالم باطل میں قیامت آجاتی ہے:

دو گیتی را صلا از قرات اوست
مسلماں لایموت از رکعت اوست
براگشتہ ایں عصر بے سوز
قیامت ہا کہ در قد قامت اوست

۱۰۔ بے امامی ملت

اقبالؒ کو بڑا دکھ اس بات کا بھی ہے کہ ملت بے امام ہے اور اس کا سارا کاروبار حیات بے نظام ہے:

زکار بے نظام اوچہ گویم
تومی دانی کہ ملت بے امام است

اقبالؒ کو تلاش ہے اس دیدہ ور کی جو دور بین ہو' جس کی نگہ بلند ہو' سخن دلنواز ہو اور جان پر سوز ہو' وہ پوچھتے ہیں:

ولے بامن گو آں دیدہ ور کیست
کہ خارے دید و احوال چمن گفت

۱۱۔ حیات بے آرزو

مسافر کو اس کا بڑا دکھ ہے۔ کہ آج مسلمانوں کا کوئی اجتماعی نصب العین باقی نہیں رہا۔ نہ ان کے دل میں کوئی بڑی روحانی اور اخلاقی آرزو جنم لیتی ہے اور نہ وہ مادیات و شہوات سے ماورا ہو کر کسی اعلیٰ نصب العین کے لیے کوشاں ہیں۔ مسافر کو حیرت ہے کہ بغیر کسی اونچے نصب العین اور آرزو کے مسلمان کیونکر جی رہا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گریباں چاک و بے فکر رفو زیست
نمی دانم چساں بے آرزو زیست
نصیب اوست مرگ ناتمامے
مسلمانے کہ بے "اللہ ہو" زیست

ایک دوسرے مقام پر جب شاعر نے یہی مناجات خالق کائنات کے روبرو پیش کی تو:

ندا آمد نمی دانی کہ ایں قوم
دلے دارند و محبوبے ندارند

۱۲۔ بیم مرگ

مسافر اپنے روحانی اور فکری سفروں اور مشاہدات میں جن مسلمانوں سے آشنا اور متعارف ہوا تھا وہ موت سے خائف نہ تھے بلکہ ہر لحہ موت کو گلے لگانے کے لیے تیار رہتے تھے۔ لیکن بیسویں صدی میں جب مسافر نے عالم تصور سے نکل کر عالم حقیقت میں آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ آج کا مسلمان موت سے خائف اور اس کے نام سے ترساں دلرزاں ہے۔ شاعر نے اس پر دکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

مسلمان زادہ و نا محرم مرگ
زبیم مرگ لرزاں تادم مرگ
دلے در سینہ چاکش ندیدم
دم بگسستہ بود و غم رگ

۱۳۔ فقر خانقاہی

اقبال کے ہاں فقر خانقاہی سے مراد وہ فقر و بیچارگی ہے جو حقائق زندگی سے فرار اور شکست خوردگی پر مبنی ہو۔ اقبالؒ کے خیال میں جب مسلمانوں میں سیاسی کمزوری اور عسکری اضمحلال کے اثرات سامنے آنے شروع ہوئے تو ان میں حقائق زندگی سے فرار پر مبنی رویہ پیدا ہونے لگا جس کا ایک اہم مظہر فقر خانقاہی بھی ہے۔ یہ فقر خانقاہی جب پیدا ہوتا ہے تو دین کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصلی روح مرجھاجاتی ہے اور دنیا میں مسلمانوں کو شرمسار ہونا پڑتا ہے۔

کہتے ہیں :

مسلماں شرمسار از بے کلاہی است
کہ دینش مرد و فقرش خانقاہی است
تو دانی در جہاں میراث ماچیست
گلیمے از قماش پادشاہی است

اقبالؒ کے نزدیک اسلام کی اصل شان یہ ہے کہ بادشاہ گلیم پوش ہو، فقیر درویش کے ساتھ ہم آغوش ہو اور سیاسی قوت وحی الٰہی کے احکام کے تابع ہو :

۱۴۔ غربت اندر مشرق و مغرب

اقبال کو شدت سے یہ احساس تھا کہ وہ فکری اور جذباتی طور پر تنہائی کا شکار ہیں، اس دنیا میں ان کا کوئی حقیقی ہمراز نہیں ہے اور وہ اس بھری پری محفل میں غریب الدیار ہیں۔ ارمغان حجاز میں انہوں نے جابجا اپنی اس تنہائی اور غربت کا شکوہ کیا ہے۔ ان کو اس کا دکھ ہے کہ ان کا کوئی راز داں نہیں جس سے وہ اپنا دکھ کہہ سکیں :

غریبم درمیان محفل خویش
تو خود گو، باکہ گویم مشکل خویش

وہ اس زندگی کو ایک سفر قرار دیتے ہیں، لیکن ہزارہا مسافروں میں سے کوئی ایک بھی ان کا حقیقی ہم سفر نہیں ہے :

بچشم من جہاں جز رہگذر نیست
ہزاراں راہ رو یک ہم سفر نیست

وہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں :

درون سینہ من منزلے بگیر
مسلمانے ز من تنہا ترے نیست

ایک دوسری رباعی میں بارگاہ رسالت میں ہی میں یوں کہتے ہیں :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

من اندر مشرق و مغرب غریبم که از یاران محرم بے نصیبم
غم خود را بگویم با دل خویش چه معصومانه غربت را فریبم

۱۵۔ مرا یاراں غزل خوانے شمردند

اقبالؒ نے سرکار رسالت مآب ﷺ میں جو شکایتیں سب سے زیادہ دلدوزی سے کی ہیں ان میں یہ شکایت بھی شامل ہے کہ ان کی قوم نے ان کے پیغام پر توجہ دینے کے بجائے ان کو محض ایک شاعر سمجھا اور ان کے شاعرانہ کمالات ہی سے دلچسپی لی۔ مغربی فکر اور فرنگی تہذیب و تمدن پر ان کی تنقید سے کسی نے استفادہ نہیں کیا' اسلامی تعلیمات کو جس منفرد انداز اور پیرایہ میں انہوں نے پیش کیا اس سے کم ہی لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔ بیشتر لوگوں نے ان کی غزل خوانی اور غنائیت ہی پر سر دھنے۔ اس کی شکایت کرتے ہوئے سرکار دو عالم ﷺ سے کہتے ہیں :

بآں رازے که گفتم پے نه بردند
ز شاخ نخل من خرما نخوردند
من اے میر امم داد از تو خواہم
مرا یاراں غزل خوانے شمردند

ایک دوسری جگہ اس مضمون کی شکایت حضور رسالت مآب ﷺ میں ان الفاظ میں کی ہے :

تو گفتی از حیات جاوداں گوے
بگوش مردہ پیغام جاں گوے
ولے گویند ایں ناحق شناساں
که تاریخ وفات ایں و آں گوے

یہ ناحق شناسی اس لیے پیدا ہوتی ہے کہ قوم میں مذاق سلیم کی کمی ہے اور اس نے سنجیدہ امور سے صرف نظر کر کے محض رنگ و آہنگ اور فن و فرہنگ کو اپنی توجہ کا مرکز بنا لیا ہے۔ اقبالؒ کی یہ شکایت دراصل اپنے لیے کسی مقام و مرتبہ کے حصول کی غرض سے نہیں' بلکہ دراصل یہ قوم کی بدمذاقی اور غیر سنجیدگی پر اظہار تاسف ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ارمغان حجاز کے معانی و مطالب ایک اتھاہ سمندر ہیں۔ ان کا مفصل اور مکمل جائزہ کسی مختصر تحریر میں بہت مشکل ہے۔ لیکن ان گذارشات میں جو کچھ عرض کیا گیا اس سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ ارمغان حجاز اپنی نوعیت کا ایک منفرد سفر نامہ حرمین ہے جس میں مسافر حرم نے ملت مسلمہ کو در پیش تحدیات کا بڑی دقت نظر اور باریک بینی سے جائزہ لیا ہے۔ افسوس ہے کہ ارمغان حجاز اقبالؒ کی نسبۃً کم مقبول کتابوں میں شامل رہی ہے۔ اقبال کے دوسرے شعری مجموعوں کے مقابلہ میں اس کے ایڈیشن غالباً سب سے کم نکلے۔ یہ بھی قوم کی بد مذاقی کا ایک ثبوت ہے۔

© rasailojaraid.com